پھٹیچر لفظ نہیں پھٹیچر نظام برا ہے

تحریر: سہیل احمد لون

یہ چیز انسانی جبلت میں شامل ہے کہ وہ کچھ کہنا چاہتا ہے۔اظہار ہی اسے دوسری مخلوقات سے علیحدہ کرتا ہے۔انفارمیشن ٹیکنالوجی کے جدید دور نے سوشل میڈیا کے زریعے ایک عام انسان کو اپنی رائے دنیا میں کے سامنے رکھنے کا بہترین موقع فراہم کیا ہے۔انسان کے بنیادی حقوق میں آزادی رائے بھی ایک اہم جزو ہے آزادی رائے کا حق دینے سے جرات اظہار کا جذبہ بھی بڑھتا ہے۔انٹرنیٹ نے دنیا کو ایک گلوبل ویلج بنا دیا ہے اور جس برق رفتاری سے سوشل میڈیا اپنی اہمیت کا احساس دلا رہا ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ تعلیمی اداروں میں اسے ایک اہم مضمون کے طور پر پڑھایا بھی جائے گا۔چند روز قبل تحریک انصاف کے چیئرمین عمران خان نے کسی نجی محفل میں اس وقت پی ایس ایل کا فائنل کھیلنے کے لیے لاہور آنے والے غیر ملکی کھلاڑیوں کو ''پھٹیچر'' اور ''ریلو کٹے'' کہہ دیا جب پاکستانی میڈیا اور سوشل میڈیا پر میچ کے پرامن انعقاد کے بعد دہشت گردی کے خلاف ''جیت'' کا جشن منایا جا رہا تھا۔عمران خان کے الفاظ یقیناً بہت عامیانہ تھے جو ایک سیاسی جماعت یا ایک سابق کپتان کو کرکٹ کے کھلاڑیوں کے متعلق نہیں بولنے چاہئے تھے۔عمران خان نے دوستوں میں بیٹھے گپ شپ میں ہلکے پھلکے انداز میں اگر کوئی بات کر دی تو ہمیں یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیے کہ وہ کوئی پارلیمنٹ ہاؤس نہیں تھا جہاں پارلیمانی زبان ہی استعمال کی جاتی۔ویسے ہمارے فلور آف دی ہاؤس میں ''صادق اور امین'' جھوٹ بھی بولتے پائے گئے، وزارت دفاع کا قلمدان رکھنے والے ملک کا دفاع کرنے والی فوج کے خلاف ''پارلیمانی'' زبان استعمال کرتے پائے گئے، عورت کے احترام میں اسی پارلیمنٹ میں ''ٹرالی'' جیسے ''پارلیمانی'' الفاظ بولے گئے۔اسی پارلیمنٹ میں گالی گلوچ کے ساتھ فری سٹائل کشتیاں بھی ہوتی رہیں ابھی حال ہی میں حکومتی جماعت کے ایم این اے جاوید لطیف نے تحریک انصاف کے مراد سعید کی بہنوں کے بارے میں جس زبان میں اظہار کیا وہ کم از کم نجی محفل میں پھٹیچر کہنے سے کہیں برا اور قابلِ اعتراض تھا گو اس پر ان کو مکا بھی پڑ گیا لیکن یہ بات یہاں ختم نہیں ہوتی۔ہم پنجاب کے لوگ جانتے ہیں کہ بھائی بہنوں کی عزت کے رکھوالے ہوتے ہیں۔جب آپ کسی کو اُس کے گھر پہنچنے کا عندیہ دیں گے تو اس کا کیا مطلب ہے مجھے پنجاب کے لوگوں کو بتانے کی ضرورت نہیں۔مگر شاید ایسی ''مہذب'' کارروائیوں کی اتنی بازگشت میڈیا پر سنائی نہیں دی گئی جتنی عمران خان کے دو الفاظ جو انہوں نے ایک نجی محفل میں ادا کیے اُن کو ایشو بنایا گیا۔کوئی مذہبی رہنماء ہو یا سیاسی، فنکار ہو یا شاہی خاندان کا کوئی فرد ہر شخص کی اپنی پرائیویٹ زندگی بھی ہوتی ہے جسے جینے کا اس کا بنیادی حق ہوتا ہے۔عمران خان جب دوستوں سے باتیں کر رہے تھے تو کسی ''صحافی'' نے موبائل فون کے ساتھ اس کی ویڈیو بنالی جسے سوشل میڈیا پر ریلیز کر دیا گیا۔جس کے بعد میڈیا میں اسے بھرپور کوریج دی گئی۔حیران کن طور پر ٹی وی چینلز پر اس سیاسی جماعت کے نمائندے آ کر اخلاقیات کا درس دے رہے تھے جن کے دامن غیر اخلاقی حرکات کے سیاہ کارناموں سے بھرے ہیں۔انہوں نے مادر ملت کی تذلیل کی، بیگم نسیم ولی خان کو بے آبرو کیا، محترمہ نصرت بھٹو، محترمہ بے نظیر بھٹو، جمائمہ خان سمیت بہت سی شخصیات پر بہتان باندھے۔تحریک انصاف کے چیئرمین کو مختلف چینلز پر اپنی باتوں کی جسے بیان بنا کر

پیش کیا گیا تھا کی وضاحت کرنا پڑی۔ پاکستان میں میڈیا کو کنٹرول کرنے کے لیے ایک ادارہ PEMRA بھی بنایا گیا ہے جس کا کام ہی یہی ہے کہ وہ ان باتوں کا خیال رکھی کہ میڈیا پر جو نشر کیا جا رہا ہے یا شائع وہ ان کے بنائے گئے صحافتی قانون وضوابط کے مطابق ہے کہ نہیں۔ برطانیہ میں ہمارے کئی نجی چینلز نے بھی اس کو خبر بنا کر دھوم دھڑکے سے نشر کیا۔ برطانیہ میں جیسے کوئی لکھا ہوا آئین نہیں پھر بھی یہاں جمہوری طرز حکومت مثالی ہے، کسی برطانوی باشندے کے پاس برٹش شناختی کارڈ نہیں اس کے باوجود یہاں کے اداروں کو اپنے شہریوں کی تعداد کے علاوہ ان کے مسائل کا بخوبی علم ہے، میڈیا کو کنٹرول کرنے والا کوئی سرکاری ادارہ نہیں اس کے باوجود صحافت کے قانون وضوابط ہیں جن کا خیال رکھا جاتا ہے۔ ستمبر 2008ء تک پریس رضا کارانہ طور پر کام کرنی والی ایک ریگولیٹری باڈی Press Complaints Commission (PCC) کام کرتی رہی جسے بعد ازاں Independent Press (IPSO) Standards Organisation میں تبدیل کر دیا گیا۔ حالانکہ اس کے اختیارات کا دائرہ بہت محدود ہے پھر بھی یہ PEMRA سے بہتر انداز میں نتائج دے رہا ہے۔ IPSO یا PCC کے کوڈ آف کنڈکٹ کے مطابق کسی میڈیا یا ایسا مواد شائع یا نشر نہیں کر سکتا جس سے کسی کی نجی زندگی متاثر ہو۔ The press should not publish material acuired by using hidden cameras or listening devices, intercepting phone calls or emails, or unauthorised removal of documentns or photos. میڈیا صرف ان حالات میں ایسا کام کر سکتا ہے جب معاملہ عوام کی صحت یا حفاظت کا ہو یا کسی بڑے جرم کو بے نقاب کرنے کا ہو جس سے عوام کو کسی بڑے نقصان سے بچائے جانے کا عندیہ ملتا ہو۔ یورپین کنونشن کے انسانی حقوق 1998 کے آرٹیکل آٹھ کے تحت تمام عوامی اداروں لوگوں کی نجی زندگی میں خلل ڈالنا جرم تصور کرتے ہیں اور برطانیہ سمیت دیگر ترقی یافتہ ممالک میں بھی صحافی انسانی حقوق 1998 کے آرٹیکل 8 ذہن میں رکھ کر اپنے پیشہ وارانہ فرائض کی ادائیگی کرتے ہیں۔ عمران خان کی حالیہ نجی گفتگو تو موضوع بحث بنی رہی مگر اس کو غیر اخلاقی طور فلم بنا کر ریلیز کرنے والے پیشہ ور صحافی سے کسی نے یہ نہیں پوچھا اس نے صحافت کے کن قوائد وضوابط کو مدنظر رکھ کر یہ کام کیا؟ لفظ ''پھٹیچر'' کو میڈیا کی پرات میں اس وقت تک گوندھا گیا جب تک سعید مراد نے جاوید لطیف کو مکار رسید نہ کر دیا۔ جسٹس شوکت صدیقی کے حالیہ بیانات کے بعد ایسی ہوا چلنا شروع ہوگئی ہے کہ لگتا ہے سوشل میڈیا پر خصوصاً فیس بک پر پابندی نہ لگا دی جائے۔ آزادی رائے کا ناجائز استعمال کرنے والے کچھ جنونی اور بیمار ذہنیت کے لوگ ایسا مواد بھی شیئر کر رہے ہیں جو آپ ﷺ کی توہین کے زمرے میں آتا ہے جسے ظاہر ہے کوئی بھی کلمہ گو برداشت نہیں کر سکتا۔ مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ آپ سوشل میڈیا ہی بند کر دیں۔ ایسے بلاگر تک پہنچنا ریاست کے لیے کوئی مشکل کام نہیں برطانیہ میں فیس بک یا ٹویٹر پر ایک سٹیٹس دینے پر لوگ جیلوں میں جا چکے ہیں آج بھی کوئی یہاں سوشل میڈیا سمیت مین سٹریم میڈیا پر ملکہ کے متعلق کوئی توہین آمیز بات کہنے کی جرات نہیں کر سکتا اور نہ ہی کوئی حساس اداروں کے خلاف ڈگڈگی بجا کر ان کا تماشہ بنا سکتا ہے، ہولوکاسٹ کے متعلق بھی جرات اظہار کی جرات کوئی کرے تو اسے عبرت کا نشان بنا دیا جاتا ہے۔ تھائی لینڈ میں انکے بادشاہ کیے متعلق کوئی منفی بات کہنا تو درکنار انکے نوٹ کو اس لیے تہہ کرنا جرم ہے کیونکہ اس پر بادشاہ سلامت کی تصویر ہے جس کی توہین ہو جاتی ہے، جگہ جگہ بادشاہ کی تصویر

لگائی جاتی ہے اگر کوئی غلطی سے تصویر کے سامنے پیشاب کرتا بھی پکڑا جائے تو جیل میں بھیج دیا جاتا ہے مگر سوشل میڈیا بند کرنے کا نہیں سوچا گیا۔سوشل میڈیا پر پابندی لگانا مسئلے کا حل نہیں بلکہ ملک میں قانون وانصاف کی بالا دستی قائم کرنے کی ضرورت ہے۔میڈیا ہو یا سوشل میڈیا اس کے قوائد وضوابط کے مطابق چلانا چاہیے۔جہاں صحافی حضرات ہی صحافت کے قانون وضوابط کی دھجیاں بکھیرنا شروع کر دیں گے وہاں عام لوگوں سے کیا امید رکھی جاسکتی ہے۔بدقسمتی سے ہمارا نظام ہی پھٹیچر ہو چکا ہے جب تک اسے تبدیل نہیں کیا جاتا ایسے پھٹیچر کام ہوتے رہیں گے لیکن المیہ یہ ہے کہ ہمارے وطنِ عزیز میں لفظ پھٹیچر قابلِ اعتراض ہے لیکن جس نظام سے یہ سب پھٹیچر پیدا ہو رہے ہیں اُسے بچانے کیلئے سب ایک ہیں۔

تحریر: سہیل احمد لون

سرٹن۔سرے

sohailloun@gmail.com

11-03-2017